اس دور میں قرآن کی صحیح خدمت کیا ہے؟

ابوالاعلیٰ مودودی

[یہ ایک پیغام ہے جو نزولِ قرآن کی چہار صد سالہ تقریب کے موقع پر اسلامی کانفرنس میں پیش کرنے کے لیے ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو بھیجا گیا تھا۔ افسوس ہے کہ مَیں خود اپنی خرابیٔ صحت کے باعث اس میں شرکت سے معذور رہا۔ ابوالاعلیٰ]

میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا اگر آپ حاضرینِ مجلس تک میرا اسلام اور یہ پیغام پہنچا دیں کہ جس مبارک مقصد کے لیے آپ جمع ہوئے ہیں، میں اُس میں قلب و روح کے ساتھ آپ کا شریک ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے کلامِ پاک کے صحیح فہم، اور اِس نازک دَور میں اُس کی صحیح تبلیغ، اور زندگی کے اہم مسائل پر اس کی تعلیمات کی صحیح تطبیق کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنے آخری نبیؐ پر اپنی کتاب اس اعلان کے ساتھ نازل کی ہے کہ اُس میں دین کی تکمیل کر دی گئی ہے اور اب دنیا میں نہ کوئی نبی آنے والا ہے نہ کوئی کتاب۔ اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن پُوری نوعِ انسانی کے لیے تمام دنیا میں اور تمام زمانوں میں ایک مستقل ہدایت ہے۔ کیونکہ اگر کسی زمانے یا کسی خطۂ زمین یا انسانی معاشرے کی کسی حالت کے لیے بھی اس کی ہدایت ناکافی یا محتاجِ تکمیل ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان غلط ہے، حالانکہ اللہ اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی کوئی بات غلط ہو۔ لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے مسائلِ حیات کی ہر بحث میں ہمارا اوّلین نقطۂ آغاز یہ ہونا چاہیے کہ ہمارے لیے اصل سرچشمۂ ہدایت یہ کتاب ہے اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اسی کی طرف ہم رجوع کریں گے۔

یہ "نقطۂ آغاز" کا سوال ہی اِس وقت پُوری دنیا میں مسلمانوں کے اہلِ فکر و نظر اور رہنما طبقوں کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اگرچہ ہمارا اصل کام دنیا کو خدائی ہدایت کی طرف دعوت دینا ہے، لیکن

بدقسمتی سے جدید مادّی تہذیب کے ہمہ گیر غلبہ نے خود ہمارے اپنے اندر یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ ہم جملہ مسائلِ حیات میں قرآن کو اصل سرچشمۂ ہدایت مانتے بھی ہیں یا نہیں، اور مانتے ہیں تو خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ مانتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے ہم بحیثیت ایک مُسلم ملّت کے اپنے عالمگیر منصب کا حق ادا نہیں کر سکتے جب تک خود اپنے اندر اس سوال کو طے نہ کریں، اور ہم بڑے خوش قسمت ہوں گے اگر نزولِ قرآن کی پندرھویں صدی کا آغاز اسی سوال کے ایک قطعی اور واضح جواب سے کریں۔

ہمارے رہنما اور کارفرما طبقوں میں کچھ عناصر ہیں جو قرآن کو اس دور میں سرچشمۂ ہدایت نہیں مانتے یا کم از کم اِس میں شک ضرور رکھتے ہیں۔ وہ ایسے اطمینان بخش دلائل کے محتاج ہیں جن سے ان کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ انسان رہنمائی کے لیے خدا کی ہدایت کا محتاج ہے اور یہ قرآن واقعی خدا ہی کی طرف سے ایک محفوظ، کامل اور ابدی ہدایت ہے۔

کچھ دوسرے عناصر ہیں جو دین و دنیا کی تقسیم کا نظریہ اختیار کر چکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص تصورات کے مطابق جس چیز کو "دین" سمجھ بیٹھا ہے صرف اُسی کے دائرے تک قرآن کی ہدایت کو محدود رکھنا چاہتا ہے۔ اِس طرح کے لوگوں کی غلط فہمیاں رفع نہیں ہو سکتیں جب تک کہ دین و دنیا کی اِس بے معنی تقسیم پر فیصلہ کُن ضرب نہ لگائی جائے اور مضبوط دلائل کے ساتھ یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ انسان اپنی پُوری زندگی کے معاملات میں خدا کی ہدایت کا محتاج ہے اور قرآن زندگی کے ہر پہلو میں بالکل ٹھیک ہدایت دیتا ہے۔

کچھ اور عناصر ہیں جو قرآن کی ہدایت کو جامع اور ہمہ گیر مانتے ہیں، مگر جب اُس سے استفادے کا سوال سامنے آتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کے لیے رہنمائی کا اصل ماخذ و منبع قرآن سے باہر کسی اور جگہ ہے جہاں سے نظریات و تصورات لا کر وہ قرآن سے ان کی تصدیق و توثیق کرانے کے لیے زور لگا رہا ہے۔ اور کسی کی کوشش یہ ہے کہ قرآن کا تعلق نہ صرف سنتِ رسول سے کاٹ کر، بلکہ پچھلی چودہ صدیوں میں اُمّت کے علماء و فقہاء اور مفسرین نے معانیٔ قرآن کی تشریح اور تعلیماتِ قرآن سے اخذ و استنباط کا جو کچھ کام کیا ہے اس سب سے بے نیاز ہو کر، اُس کا اپنا ذہن الفاظِ قرآن سے جو مفہوم اخذ کرتا ہے صرف اُس سے ہدایت حاصل کرے۔

یہ دونوں مسلک ایسے ہیں جنہیں کوئی معقول آدمی قرآن کی ہدایت سے استفادے کی صحیح صورت نہیں مان سکتا، اور ان کی بنیاد پر امتِ مسلمہ کا کوئی ایک نظامِ فکر و عمل بھی نہیں بن سکتا، کیونکہ نہ امت کا اجتماعی ذہن کبھی اِن تعبیرات و تفسیرات کو قبول کر سکتا ہے، اور نہ خود اِن لوگوں کے درمیان اپنی تعبیرات میں اتفاق ممکن ہے۔ اس لیے اِن مسلکوں کے فروغ پانے کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مسلمانوں میں مزید تفرقے رونما ہوں، اُن کے ذہنوں میں اپنے دین کے متعلق نئی نئی الجھنیں پیدا ہوں، اور دنیا کو ہدایتِ الٰہی کی طرف دعوت دینے کے بجائے وہ خود اپنی جگہ ہی اِس پریشانی میں مبتلا رہیں کہ وہ ہدایت فی الواقع ہے کیا۔ لیکن اِس کا علاج بھی طعن و تشنیع نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ عناصر اِس کے محتاج ہیں کہ معقول اور اطمینان بخش دلائل سے اُن کو قرآن کی ہدایت سے استفادے کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور جن طریقوں کو وہ اختیار کر رہے ہیں ان کی غلطی واضح کی جائے۔

لغزشِ قدم کے اِن مواقع سے جو لوگ بچ گئے ہیں ان کے معاملہ میں بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ فی الحقیقت قرآن کو اصل سرچشمۂ ہدایت ماننے میں وہ کس حد تک سنجیدہ ہیں۔ اس معاملہ میں سنجیدگی کے معنی صرف اتنے ہی نہیں ہیں کہ ہم خلوصِ دل کے ساتھ قرآن کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں، اور اس کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ ہم اِس عقیدے کے صرف اعلان و اظہار پر اکتفا کریں، بلکہ ہمارے سنجیدہ ہونے کا اصل تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عملاً اُس سرچشمۂ ہدایت کی طرف رجوع کریں، اور جو رہنمائی اُس سے ملتی ہے اُس کے مطابق اپنے اخلاق و معاملات اور طرزِ زندگی کو، اپنے تمدن اور اُس کے قوانین کو، اپنے نظامِ تعلیم اور نظامِ معیشت اور نظامِ سیاست کو بالفعل ڈھالنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ میرا احساس اور مشاہدہ یہ ہے کہ ہمارے رہنما اور کارفرما طبقوں میں جہاں صحیح اعتقاد موجود ہے وہاں بھی اِس معیار کی سنجیدگی مفقود ہے، یا اگر مفقود نہیں تو کم از کم معیارِ مطلوب سے بہت فروتر ہے۔ ہمیں اِس سنجیدگی کو پیدا کرنے کی کوشش سب سے پہلے کرنی چاہیے، کیونکہ جب تک یہ پیدا نہ ہو، مسائلِ زندگی پر قرآنی تعلیمات کے انطباق کی علمی بحثیں کاغذ کی زینت ہی بنی رہیں گی، عمل کی دُنیا میں اُن کا کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ دنیا صرف اِن کاغذی بحثوں سے اسلام کے برحق ہونے کی قائل نہیں ہو سکتی۔ اُسے قائل کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ ہماری قومی